© rasailojaraid.com

مولانا غلام محمد بی۔ اے کراچی
(مؤلف تذکرہ سلیمان)

حضرت مولانا ابوالحسنات

سیّد عبداللہ حیدرآبادی

قدس سرّہ

شیخ کبیر و محدّث جلیل

۔گذشتہ سے پیوستہ ــــــــ

اخلاص کامل حضرت مولاناؒ سراپا اخلاص تھے، وہ تھے اور ان کا اپنے معبود سے تعلق تھا، برسہا برس اپنی عظمت علمی اور رفعت روحانی لئے ہوئے وہ مسجد کے گوشہ نشین بنے رہے، نہ مخلوق نے انہیں پہچانا نہ ان میں اپنی پہچان کا واہمہ بھی کبھی پیدا ہوا، وہ حضرت احمد جام رحمۃ اللہ علیہ کے شعر کی جیتی جاگتی مثال تھے۔

احمد تو عاشقی بہ مشیخت ترا چہ کار   دیوانہ باش سلسلہ شد شد نہ شد نہ شد

مدت دراز تک ان کی طرف رجوع بہت ہی کم رہا اور وہ اس کے پھیلاؤ سے بالکل مستغنی رہے اکثر بزرگوں میں حلقۂ ارادت کے پھیلانے کی حرص نمایاں نظر آتی ہے اور بعض اچھے اچھے متقی پیر بھی اس سلسلہ میں ایسے حریص نظر آتے ہیں کہ ان کے پاس اور سلسلوں کے ارادتمند بھی آئیں تو وہ اپنی طرف ان کو کھینچنے کی تدابیر کرتے رہتے ہیں، یہ چیز اخلاص کے منافی اور "خود اعتقادی" سے بھی ناشی ہے، حضرت مولانا سید عبداللہ قدس سرہٗ ایسے مخلص کامل تھے کہ اگر اور جگہ کے ارادتمند انکی خدمت میں حاضر ہوتے تو وہ اس طرز سے ان کی تشفی فرما دیتے کہ ان کا اعتقاد اپنے پیر اور اپنے سلسلہ پر اور بڑھ جاتا ــــ

راقم الحروف کی ذاتی مثال ان کے اس وصف کی بہترین ترجمان ہے۔ میرا سارا خاندان حضرت کا وابستۂ دامن تھا اور میرے والد ماجد اور تایا صاحب تو حضرت کے اولین اور رشید ترین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مریدوں میں سے ہیں اور ان کی شفقت خود اس حقیر کے حال پر بچپن ہی سے رہی ہے تھی، اس سب کے باوجود میرا رزق اللہ تعالیٰ نے اپنے عنایت کرم سے حضرت شاہ سلیمان (علامہ سید سلیمان ندوی قدس سرہٗ) کے خوانِ فیض پر مقدر فرمایا تھا اور جب یہ تقدیر ظاہر ہوگئی تو میں دل میں اس بات سے گھبراتا تھا کہ اگر اسکی اطلاع حضرت ممدوح کو ہوگئی تو ان کو بُرا ضرور معلوم ہوگا اور شاید ان کے الطاف پھر ایسے مبذول نہ رہیں گے، مگر جب بغیر عرض و معروض کے احقر کا تغیر حال ان کی نگاہ میں آیا تو راز چھپایا نہ جاسکا اور جب ڈرتے جھجکتے حقیقت ظاہر کردی تو بڑے انبساط سے فرمایا کہ بس اب راستہ کی شرط یہ ہے کہ "یک در گیر و محکم گیر" اور بڑی شفقت سے وقتاً فوقتاً شیخ کے احترام اور اتباع کی تلقین فرماتے رہے، یہاں تک کہ ۱۹۶۱ء میں (بعد وفات شیخ) جب اس عاجز کا حیدرآباد جانا ہوا اور حضرت کی خدمت میں حاضری ہوئی تو بڑے سرور و نشاط سے تشفی ہی تشفی فرمادی ——— یہ اخلاص بڑے سے بڑے شیخ میں بھی پھر نظر نہ آیا،

اس سے بھی بڑھ کر حضرت کے اخلاص فی اللہ کی ایک اور نشانی بھی ہے، جو آج اس عاجز کے ذریعہ پہلی بار ظاہر ہو رہی ہے کہ جب حضرت کو "تکوینی خدمت" سپرد ہو رہی تھی تو میرے تایا صاحب مدظلہٗ سے تخلیہ میں فرمایا اور بڑی ہی پریشانی کیساتھ فرمایا کہ "مجھ سے اس چیز (تکوینی خدمت) کے قبول کرنے پر اصرار کیا جارہا ہے، بھلا مجھے ان باتوں سے کیا سروکار، میں مسلسل انکار کر رہا ہوں مگر اُدھر سے پیہم اصرار ہے۔" ——— چنانچہ بالآخر قبول کرنا ہی پڑا۔ مگر اس سے اخلاص فی اللہ کا کیسا کمال ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرت کو دارین سے کچھ بھی مطلوب نہیں تھا، بلکہ مطلوب تو صرف اسی ذات پاک کی محبت اور اسی کی رضا تھی، رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ۔

حزم و احتیاط | مولانا کا ایک خاص وصف ہر بات میں احتیاط کا خیال تھا، نذرانہ قبول نہیں فرماتے تھے کہ نہ جانے دینے والے کی آمدنی کیسی ہو؟ جلسوں، عرسوں اور ہر قسم کی مجالس سے کنارہ کش رہتے کہ ان میں اوقات کی بربادی بھی ہے اور منکرات سے بچنا بھی مشکل ——— باوجود ذہانت و حذاقت علمی کے عمر بھر مناظرہ کے تصور سے بھی گریزاں رہے۔

مولانا کی احتیاط کا عالم یہ تھا کہ کبھی اس کتاب کا درس نہیں دیا جسکو خود کسی استاد سے پڑھا نہیں تھا، وہ ایک متبحر عالم تھے مگر جب کوئی معمولی مسئلہ بھی پوچھتا تو الماری سے بہشتی زیور (مؤلفہ حضرت مولانا تھانویؒ) نکلواتے اور اس میں دیکھ کر بتلادیا کرتے تھے۔

ان کے پیر بزرگوار (قدس سرہٗ) نے ان سے فرمایا تھا کہ شہر میں علماء کی کمی نہیں اس لئے آپ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر وعظ و تبلیغ شہر میں واجب نہیں، ہاں اضلاع پر جائیں تو ضرور وعظ فرمایا کریں۔ مولانا اس وصیت پر اس سختی سے پابند رہے کہ مرتے دم تک شہر حیدرآباد میں وعظ نہیں فرمایا، سقوط حیدرآباد کے بعد میرے خسر مرحوم (مولانا محمد علی پروفیسر فقہ و حدیث جامعہ عثمانیہ) کے بڑے اصرار پر سکندرآباد کی جامع مسجد میں ایک مختصر وعظ فرمایا تھا مگر حالت یہ تھی کہ تمام سامعین پر رقت طاری تھی۔

وسعت فیض | اللہ پاک کی عجیب حکمت ہے، حضرت نے اپنی عمر کا بڑا حصہ اس حالت میں گذارا کہ معدودے چند سے زیادہ شہر میں ان کے وابستۂ دامن موجود نہ تھے، مگر آخر عمر میں جب "زجاجۃ المصابیح" کا عظیم کام انجام کو پہنچ گیا تو دفعتہً لوگوں کا رجوع بڑھ گیا اور سقوطِ حیدرآباد کے بعد تو عوام و خواص کا اسقدر ہجوم ہو گیا کہ شہر میں بس وہ ہی وہ تھے، اور یہ فیضان صرف شہر تک محدود نہ رہا بلکہ سرعت کیساتھ دکن کے طول و عرض میں پھیل گیا، بمبئی سے مدراس اور سی پی سے بنگلور تک کا علاقہ اثر فیض میں آگیا۔ حضرت کے منتسبین میں وضع و قطع مطابق شریعت رکھنے کا اہتمام نماز با جماعت کی پابندی، سادگی اور تواضع کا اثر عام دکھائی دیتا ہے، مگر چونکہ حضرت کے ہاں احتساب کی سختی اور دین کی کامل تفہیم، مسائل سے آگاہی اور بدعات و رسوم پر تنبیہہ کا اہتمام نہ تھا، اس لئے جو جس رنگ میں رہا اسی رنگ میں رہا اور اکثر لوگ ان رسوم اور بدعات میں مبتلا نظر آتے ہیں، جن کا انتساب حضرت شیخ کی ذات گرامی کی طرف بہتان ہے۔

حلقۂ توجہ | ان کا حلقۂ توجہ اصل نقشبندی شان کا ہوتا تھا، وہ مراقب ہو کر بیٹھ جاتے اور سب مریدان کے روبرو حلقہ باندھ کر مراقب ہو جاتے، نہ شیخ تسبیح کھٹکھٹاتے تھے نہ زبان سے اللہ اللہ کے نعرے لگاتے تھے نہ اشعار پڑھتے تھے نہ مریدوں میں ھُوحق کی آواز ہوتی تھی، گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے طویل حلقۂ توجہ میں سکوت کا ایک عالم طاری رہتا۔ اور ع

که برند از رہ پنہاں بہ حرم قافلہ را

کی حقیقت مشاہد و محسوس ہو جاتی تھی۔ ورنہ حیدرآباد ہی میں اپنے ایک استاد مولانا محمد صابر صاحب رح سے (جو حضرت حافظ بشارت کریم صاحب بہاریؒ نقشبندی مجددی کے خلیفہ تھے) سنا تھا اور پاکستان آکر خوب دیکھا کہ اس اطراف میں حضرت دوست محمد قندھاری قدس سرہٗ کے سلسلہ کے حضرات کا جو حلقۂ توجہ ہوتا ہے اس میں شیوخ موٹے دانوں کی تسبیح کی کھٹ کھٹ سے اور کبھی اشعار پڑھ کر اور کبھی اللہ اللہ کے نعروں سے مریدوں کو متوجہ رکھتے ہیں اور خود مرید بھی ھُوحق کے نعرے بلند کرتے ہیں، ممکن ہے یہ حضرت دوست محمد قندھاری قدس سرہٗ کا شخصی طرز ہو جس کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اہل ارادت نے رواج دے لیا ہے، ورنہ ذکر خفی میں یہ جہر اصل مجددی طریق کے مغائر ہے۔

فقہی مسلک | بعض جزئیات فقہ میں وہ اپنے استاد مولانا انوار اللہ خاں رح کے پیرو تھے اور عرس، نیاز، قیام میلاد وغیرہ بشرطیکہ منکرات اور خلاف شرع امور ان میں موجود نہ ہوں درست سمجھتے تھے۔ مگر وہ بھی اس درجہ میں کہ نہ کرنے والوں پر ان باتوں کا اصرار ہو اور نہ احتیاط کے ساتھ جو لوگ کرتے ہوں ان پر نکیر کی جائے ورنہ قبروں پر پھول چڑھانے اور مزارات پر منّت مانگنے اور تعویذ گنڈوں کا شغل رکھنے والوں کی تردید خود حضرت کے ملفوظات "مواعظ حسنہ" میں چھپی ہوئی آج بھی موجود ہے، ان چند باتوں کے علاوہ اور تمام مسائل میں وہ علمائے دیوبند اور سہارنپور ہی کے فتووں سے تمسک فرماتے تھے اور بہشتی زیور تو ہمیشہ حضرت کی مسجد والی الماری میں رکھی ہی رہتی تھی

صوفیانہ مسلک | یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اختلاف سلاسل تصوف میں ولی اللّٰہی[۱] مسلک کے پیرو تھے۔ یعنی ان سلاسل میں باہمی تقابل اور تفضیلت و تفضیل کے قائل نہ تھے اور تمام محققین صوفیاء کے یکساں معتقد تھے، اسی طرح وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے نظری اختلاف اور اس میں بحث سے سخت گریز فرماتے تھے اور حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رح اور حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رح کے درمیان اختلافی بحث چھیڑنے والوں سے گفتگو کرنا بھی پسند نہ فرماتے تھے۔

سیاسی مسلک | ایک کنج نشین عابد و زاہد کا عملی سیاسیات سے تعلق ہی کیا ہو سکتا ہے مگر نظری طور پر وہ اس معاملہ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح کے ہم مسلک تھے کانگریس اور سودیشی تحریک وغیرہ میں شرکت سے اپنے مریدوں کو منع فرما دیا تھا، وہ اتحاد بین المسلمین کے قائل تھے اور اسی جہت سے مسلم لیگ اور خاصکر مجلس اتحاد المسلمین کے مؤید اور قائد ملت نواب بہادر یار جنگ مرحوم کے خاص دعا گو تھے۔

علمائے عصر سے تعلق | اپنی عزلت پسندی کی وجہ سے مولانا کا حلقۂ تعلق محدود ہی نہیں بلکہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ سے ان کی صرف ایک ملاقات ہوئی تھی جب وہ حیدر آباد دکن تشریف لائے تھے، مگر اُن کے مواعظ، ملفوظات اور علمی تالیفات کا مولانا نے غائر مطالعہ کیا تھا اور اپنی اکثر تالیفات میں ان سے فائدہ اٹھایا ہے۔

© rasailojaraid.com

[۱] حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح

© rasailojaraid.com

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ سے ان کے تعلقات تھے، اور یہ ایک بالکل ہی استثنائی بات تھی کہ وہ حضرت عثمانیؒ کے مواعظ میں اکثر شرکت فرماتے تھے، حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ (فرزند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ) مفتی عدالت العالیہ حیدر آباد دکن سے بھی غالباً مولانا اور ان کے والد ماجد کے تعلقات تھے اور اسی تعلق سے حضرت مولانا قاری محمد طیب مدظلہٗ کا وہ اکرام فرماتے تھے اور حضرت قاری صاحب بھی مولانا کا بزرگانہ احترام فرماتے تھے ۔ حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ سے مولانا کو غائبانہ محبت سیرۃ النبی جلد سوم کی وجہ سے تھی ــــ وہ معجزات پر اس تالیف کے بڑے مداح تھے، آخر زمانہ میں یہ راقم عاجز مطلع سیادت کے ان درخشاں ستاروں کے قران کا سبب بنا، اور پہلی ہی[1] ملاقات میں دونوں ایک دوسرے کی روحانی عظمت کے قائل و گھائل ہو گئے اور تادم آخر اس ناکارہ کے ذریعہ دونوں بزرگوں میں سلام و دعا کا ربط قائم رہا۔

سقوطِ حیدر آباد کے بعد جب مولانا کا شہرہ بھارت میں عام ہوا تو اکابر علماء میں سے حضرات مولانا محمد یوسفؒ (امیر جماعت تبلیغ) مولانا عبدالماجد دریا بادی مدظلہٗ، مولانا سید ابوالحسن ندوی مدظلہٗ نے حضرت مولانا سید عبداللہ شاہؒ سے سفر حیدر آباد کے دوران ملاقاتیں کیں اور سب کو حضرت کی نسبتِ عالی اور مرتبہ تقدس کا اعتراف رہا۔

وصال | آخر عمر میں خصوصاً زجاجۃ المصابیح کی تالیف سے فارغ ہو کر حضرت شیخ کی بینائی تقریباً رخصت ہو چکی تھی، اور یوں بھی ضعف و پیرانہ سالی کے باعث نحیف و نزار اور قدرے خمیدہ ہو گئے تھے اور اب بیماری کی تاب نہ رہی تھی، بالآخر پنجشنبہ ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۸۳ھ مطابق ۲۷ اگست ۱۹۶۴ء کو صبح ۸ بجے دکن کا یہ آفتاب بیانوے برس تک ضیا پاش رہ کر ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ رحمۃ اللہ علیہ ــــ نماز جنازہ دوسرے دن (جمعہ کو) صبح ۹ بجے عیدگاہ میر عالم میں دو لاکھ سے زائد معتقدین اور عام مسلمانوں نے ادا کی، امامت کا شرف حضرت کے فرزند اکبر حضرت سید خلیل اللہ مدظلہٗ[2] نے پایا، اور پھر جنازہ کو "نقشبند چمن" کے نئے قبرستان میں جس کا افتتاح ہی اس سرو بستانِ معرفت کی خوابگاہ سے ہونا تھا، پہنچا کر پیوند خاک کر دیا گیا۔

ع　خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں۔　　نور اللہ مرقدہٗ و اعلی اللہ مقامہٗ۔

---

[1] اسکی تفصیل ملاحظہ ہو "تذکرہ سلیمان" حصہ دوم میں۔ [2] خلفاء میں یہی اب حضرت کے جانشین ہیں، ماشاء اللہ شروع ہی سے صالح فطرت خاموش اور متواضع رہے۔ پھر حضرتؒ کی تربیت میں تکمیل سلوک کر کے وہ رشد پدری سے حظ وافر پایا ہے۔ البتہ پدر بزرگوار کی کوشش کے باوجود علمی وراثت کے حامل نہ بن سکے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عجیب بات یہ کہ اس گوشہ نشین ، بے برگ و بے نوا ، قومی نظریہ کے مخالف اور وحدتِ ملتِ اسلامیہ کے حامی بزرگ کا جس روز جنازہ اٹھنا تھا ہندو حکومت نے دفاتر کو صبح ۲، ۳ گھنٹے کی چھٹی دے دی تاکہ دفاتر کے لوگ بھی جنازہ میں شریک ہو سکیں ، اور بس کارپوریشن نے مفت بسیں فرکائے جنازہ کیلئے چلائیں ، اس واقعہ میں کتنا بڑا درسِ عبرت ہے ۔ مصلحت اندیش اور مخلوق کی خوشنودی پر نگاہ رکھنے والے علماء و صلحاء کے لئے اور کیسی تقویت کا سامان ہے ، ان لوگوں کے لئے جن کے پیشِ نظر رضائے حق کے سوا کوئی اور بات ہے ہی نہیں ؎

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار　　بگذارند و خمِ طرۂ یارے گیرند

حلیہ | قامت بالا ، اعضا متناسب ، رنگ گورا ، چہرہ ماہتابی جسکے گرد سفید براق سی ڈاڑھی آنکھیں بڑی بڑی پرحیا ، بینی دراز ، پیشانی فراخ و بلند مطلعِ انوار اور اس پر ہلالی داغ سجود بڑا پرکشش تھا ، دورِ دھن کشادہ تبسم فرماتے تو دانت موتی کیطرح دکھائی دیتے ۔ سکوت مجسم تھے اور چہرہ پر تفکر و حزنِ آخرت کا سماں طاری رہتا تھا ، بات بقدرِ ضرورت فرماتے مگر مخاطب کیطرف پوری طرح متوجہ ہو کر اور شفقت و دل آویزی کے ساتھ ! آخر عمر میں جسم لاغر اور کمر قدرے خمیدہ ہو گئی تھی اور بینائی جاتی رہی تھی مگر سراپا نور ہی نور نظر آتے تھے ، اور چہرۂ اقدس پر نگاہ پڑتے ہی قلب بے ساختہ اللہ اللہ کرنے لگتا تھا ، ۱۹۶۱ء کے وسط میں راقم الحروف کا حیدر آباد جانا ہوا ، شیخ کی مسجد میں پہنچا ، ابھی تشریف نہ لائے تھے ، چند منٹ میں آگئے ، نظر جو چہرۂ پر انوار پر پڑی تو آنکھیں سچ مچ چوندھیا گئیں اور جلیل مانک پوری کا شعر جو کبھی پڑھا تھا دفعۃً یاد آ گیا ؎

نگاہِ برق نہیں چہرہ آفتاب نہیں　　وہ آدمی ہیں مگر دیکھنے کی تاب نہیں

کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ و نور اللہ مرقدہٗ ۔

حضرت مولانا کے آثارِ علمیہ

زجاجۃ المصابیح | یہ مولانا کا عظیم الشان کارنامہ ہے ، مشکوٰۃ المصابیح کے طرز پر ابواب و فصول کی پابندی کیساتھ مسلک احناف کی مؤید احادیث کی ترتیب بارہ صدی میں پہلی بار مولانا کے ہاتھوں انجام پائی ہے ، اس کام کا آغاز تائید غیبی سے ہوا ، فاضل و عارف مرتب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عالم رویاء میں زیارت پائی ، معانقہ اور القائے فیض سے مشرف ہوئے ، پھر بسم اللہ کر کے قلم اٹھایا اور احادیث اس ادب و محبت سے نقل کیں کہ ہر حدیث شریف کے لکھنے سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلے اور بعد تین تین مرتبہ سوغات درود بارگاہ نبوی میں پیش کرتے رہے۔

مسلک احناف کی مؤید احادیث کے جمع و ترتیب کا کام بہت ہو چکا تھا خصوصاً آخر زمانہ میں احیاء السنن اور اعلاء السنن کی اشاعت نے حجت تمام کردی تھی، مولانا چاہتے تو کم محنت اور کم وقت میں صرف اختلافی مقامات پر مشکوٰۃ شریف میں مسلک شوافع کی مؤید احادیث کی جگہ مسلک احناف کی مؤید احادیث رکھ دیتے اور ذیل میں وجوہ ترجیح درج فرما دیتے مگر انہوں نے اس حزم و احتیاط سے یہ کام انجام دیا کہ مشکوٰۃ شریف کی جملہ احادیث کا اصل مأخذ سے مقابلہ کر کے پھر ان کو نقل فرمایا، اسی طرح گذشتہ صدیوں میں جتنا کام مسلک احناف پر ہوا تھا اس سارے ذخیرہ کا غائر مطالعہ کیا اور پھر احادیث نقل کیں۔ اس کاوش و محنت کیساتھ یہ کام کامل بیس برس میں انجام پا سکا اور پوری کتاب پانچ جلدوں میں شائع ہو سکی[1]۔

مولانا نے جب یہ کام شروع فرمایا تو اُردو ترجمہ بھی ساتھ ہی ساتھ کرتے چلے جا رہے تھے، مگر حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے مشورہ[2] سے ترجمہ کو ترک فرما دیا اور اصل کتاب مرتب فرما دی، بعد میں تین چار حضرات پر مشتمل ایک جماعت کے سپرد ترجمہ کا کام فرما دیا اور تا حیات اس ترجمہ کی نگرانی فرماتے رہے، پڑھنے سے معذور ہو چکے تھے اس لئے سماعت فرمایا کرتے تھے۔

زجاجۃ المصابیح ہند و پاکستان اور افغانستان کے علماء تک پہنچی اور حضرت مرتب نور اللہ مرقدہٗ کی حین حیات علمائے حقانی نے اس خدمت پر تحسین و آفرین کی، اعلیٰ علمی دینی رسائل مثلاً معارف، الفرقان، صدق، برہان، دار العلوم (دیوبند) وغیرہ میں موقر تبصرے شائع ہوئے، جو دیکھے جا سکتے ہیں، راقم الحروف سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع مدظلہٗ نے زجاجۃ کی پہلی جلد دیکھ کر فرمایا تھا کہ "حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہٗ نے اس کام کی وصیت ہم لوگوں سے کی تھی، خوشی ہے کہ ہم سے اگر انجام نہ پا سکا تو دکن سے انجام پا گیا"۔ اسی طرح ۱۹۶۵ء میں احقر کی مدینہ طیبہ حاضری کے دوران حضرت مولانا سید بدر عالم مہاجر مدنیؒ (صاحب ترجمان السنۃ) سے جب

---

[1] حضرت مولانا کی کل تالیفات کے ملنے کا پتہ۔ مکتبہ نقشبندیہ $\frac{16-5}{423}$ حسینی علم، بارہ گلی، حیدر آباد۔ دکن م۲

[2] حضرت مولانا عثمانیؒ نے فرمایا تھا کہ کام بڑا ہے، ترجمہ کے ساتھ کرنے میں ادھورا نہ رہ جائے۔ ترجمہ تو بعد میں بھی ہو سکتا ہے، یہ مشورہ الہامی مشورہ ثابت ہوا کہ حضرت مرتب کی بصارت اصل کتاب کی ترتیب پر ختم ہو گئی اور ترجمہ دوسروں کے سپرد کرنا پڑا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زجاجۃ کا تذکرہ آیا تو فرمایا کہ "جلد اول دیکھ کر تو میں اتنا معتقد نہ ہوا تھا، مگر بعد کی جلدوں کو دیکھ کر اس کام کی قدر دل میں پیدا ہو گئی، بڑا کام حضرت مولانا کے ذریعہ انجام پا گیا ہے۔"

زجاجۃ المصابیح کا ترجمہ نور المصابیح کے نام سے شائع ہو رہا ہے اور ابھی تکمیل طلب ہے۔ ترجمہ میں اصل سے زائد تفصیل و تفہیم ہے جسکی ذمہ داری بعد وصال شیخ صرف مترجمین ہی پر عائد رہیگی۔

اور تصانیف | زجاجۃ المصابیح کے علاوہ حضرت شیخ کی اور تالیفات بھی ہیں جو اردو زبان (بلکہ دکنی اردو) میں لکھی گئی ہیں اور علمی رتبہ کے اعتبار سے زجاجۃ اور ان میں کوئی مماثلت نہیں، پھر بھی افادی اعتبار سے ان کا مقام مسلّم ہے، اور حضرت شیخ کی نسبت باطنی کا اثر ہر تصنیف میں نمایاں ہے۔ ان تصانیف کی تفصیل یہ ہے:-

۱۔ گلزار اولیاء :- خانوادہ نقشبند مجددیہ کے بزرگوں کے احوال سلیس زبان میں قلمبند فرمائے ہیں، اس کتاب کا مسودہ میرے والد ماجد مدظلہ کے استاد خواجہ محمد اکرام الدین خاں عقیل مرحوم[1] نے دیکھا تھا، اس لئے اسکی زبان اصلاح شدہ ہے۔

۲۔ علاج السالکین :- یہ رسالہ تصوف و سلوک کی غرض و غایت اور سلوک نقشبندیہ کی تفصیل پر مشتمل ہے اور خاصہ کی چیز ہے۔ اس کے چند ابتدائی صفحات لفظاً لفظاً حضرت مولانا تھانویؒ کے رسالہ قصد السبیل الی مولی الجلیل سے نقل ہیں[2]۔

۳۔ یوسف نامہ :- یہ سورۂ یوسف سے اخذ ہونے والے مسائل طریقت پر مشتمل کتاب ہے، اس کا دوسرا نام گلدستۂ طریقت رکھا گیا ہے جو اس کا نہایت صحیح ترجمان ہے، نکات سلوک و تصوف اس میں خوب خوب آگئی ہیں، باقی قصہ کی غیر قرآنی تفصیلات غالباً حضرت جامیؒ کی کتاب یوسف زلیخا سے لی گئی ہے، راقم حقیر نے اس تفصیل کی بے اعتباری کا ذکر بہ تمام ادب حضرت مصنف کی خدمت میں بالمشافہ پیش کیا تھا، کمال شفقت سے جواب یہ ملا کہ مقصد نصیحت و عبرت ہے اور واقعی اس پہلو سے یہ کتاب ایک قیمتی کتاب ہے۔

---

[1] شرفائے حیدر آباد کے ایک قدیم خاندان کے نعت گو شاعر تھے، اردو فارسی اور ہندی میں خاصہ کلام چھوڑا ہے مگر شائع نہ ہو سکا۔ [2] حضرت کی تصانیف میں حضرت مولانا تھانوی کے مواعظ و ملفوظات سے حکایات اور بعض نکات بھی لفظاً لفظاً نقل شدہ ملتے ہیں مگر حوالہ درج نہیں ملتا۔ اسکی دو وجوہ ذہن میں آتی ہیں ایک تو یہ کہ حضرت کی جدید لوازم تصنیف پر نظر نہ تھی، دوسرے یہ کہ حیدر آباد کے ماحول میں حضرت مولانا تھانوی کا نام لیکر بات نقل کرنے میں فائدہ تصور نہ فرماتے ہوں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۔ مواعظ حسنہ :۔ میرے تایا صاحب حضرت غلام جیلانی مدظلہٗ اور صاحب ملفوظات کے داماد مولوی سید عبدالرؤف صاحب مسافر نے حضرت شیخ کی زبان سے سنے ہوئے اور برسوں میں جمع شدہ ملفوظات کو جمع کر کے بہت سلیقہ سے مرتب کیا ہے، اور مواعظ حسنہ کے نام سے شائع کیا ہے، یہ ملفوظات حضرت شیخ کی تعلیمات، عقائد اور ذوق کے حقیقی ترجمان ہیں اور ہر طالب تقویٰ کیلئے بہت مفید و مؤثر ہیں — کاش حضرت شیخ کے منتسبین زجاجۃ المصابیح اور ان ملفوظات کو اپنا معیار نگاہ بنا لیں تو بہت سی بدعات اور رسوم سے ان کو خلاصی میسر آئے۔

۵۔ کتاب المحبت :۔ محبت کی حقیقت اور معالجانہ افادیت سمجھنے شعلۂ محبت کو دل میں بھڑکانے اور روح میں سوز و گداز کے پیدا کرنے میں بہت مؤثر رسالہ ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جامع سلاسل شیخ نے یہ رسالہ نسبت چشتیہ کے وفور و غلبہ میں لکھا ہے کیونکہ اس کا رنگ ہی اور ہے اور وہی ہے جو حضرات چشتیہ کا طغرائے امتیاز ہے ؎

عشق اول عشق آخر عشق کل   عشق بادہ عشق ساغر عشق مل

۶۔ معراج نامہ :۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سیر معراج کی تفصیلات اس رسالہ میں درج فرمائی ہیں۔

۷۔ قیامت نامہ :۔ قیامت کی ہولناکی اور ہم لوگوں کی اس سے قیامت کی غفلت پر مؤثر تنبیہات اس رسالہ میں آگئی ہیں۔

۸۔ میلاد نامہ :۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت بابرکت کی تفصیلات لکھی گئی ہیں مگر محدثانہ معیار پر نہیں۔

ذاتی تاثرات :۔ حضرت اقدسؒ ایک جلیل القدر محدث تھے مگر ان کی شان معرفت اور مقام زہد و تقویٰ اس سے بھی بلند تر تھا، ان سے لوگوں نے فیض علمی بھی پایا مگر مسند ارشاد کے تو حضرت قطب تھے، ان کی ولایت اسقدر عیاں تھی کہ اس پر دلیل کا طلب کرنا محض اپنی بے بصری کو بے نقاب کرنا تھا، وہ اس شان کے بزرگ تھے کہ ملت اسلامیہ میں ایسی ہستیاں ہر دور میں خال خال ہی پیدا ہوتی ہیں اور جب اس دنیا سے رخصت ہوتی ہیں تو عالم روحانی میں ایک عظیم خلاء پیدا ہو گیا ہے۔ آخری بار ۱۹۷۱ء کے وسط میں احقر کو جب حضرت کی زیارت کا شرف ملا تو یوں محسوس ہوا کہ اب نسبت قادریہ ہر نسبت پر غالب آگئی ہے، واللہ اعلم۔

ریاست حیدرآباد کی سیاسی موت اگست ۱۹۴۴ء میں نواب بہادر یار جنگ مرحوم کی شہادت پر واقع ہو چکی تھی، اس کا ظاہری ڈھانچہ ستمبر ۱۹۴۸ء میں بھارتی یلغار سے ٹوٹ پھوٹ گیا اور بلاشبہ اس کا روحانی امتیاز حضرت مولانا شاہ ابوالحسنات سید عبداللہ قدس سرہٗ کی رحلت پر ختم ہو گیا۔

فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

© rasailojaraid.com